علی گڑھ ڈائسپورہ - ۱۹

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صد سالہ جشن کے فِنالے (دسمبر ۲۰۲۱) کی تقریب سے شروعات

ہندی اردو - سگی بہنیں

از: ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

”اردو اور ہندی کا لسانی اشتراک“ نارنگ کے مضمون کا اصل عنوان یہ تھا۔ ہم نے مضمون کی روح کے اعتبار سے ضروری ترمیم کے ساتھ اسے ”سگی بہنیں“ کر دیا ہے، بلکہ نارنگ نے خود ہی اپنے **مضمون میں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔**

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری دے کر اپنی پرانی اعلیٰ روایات کو زندہ کیا جب علی گڑھ ہندستان کے بڑے اکابر کو اعزازی ڈگریاں دے کر خود اپنے آپ کو مفتخر کرتا تھا۔ اس طرح نارنگ اور علی گڑھ ایک ابدی رشتے میں، ہمیشہ کے لئے، منسلک ہوگئے ہیں۔

نارنگ کا آخری زمانہ تھا، جب ہمارے عزیز نیرج لال نے خواہش ظاہر کی کہ نارنگ سے ملاقات کو جی چاہتا ہے، اگلی بار کوئی مشترک پروگرام بن سکے تو میں آپ کے ساتھ ساتھ دلّی پہنچ جاؤں۔ مگر پھر نہ وہ ’قدح‘ رہا نہ ’ساق‘۔نارنگ نے رخصت ہونے میں جلدی کر دی۔

نارنگ کا آخری زمانہ تھا (غالبا امریکہ جا چکے تھے)، اردو ہندی اشتراک پر امراؤتی کے رسالہ سہ ماہی اردو میں ان کا مضمون پڑھ کر جو مجھے بہت اچھا لگا، بے ساختہ اور بڑے دل سے داد دی۔ اس موضوع پر اتنا اچھا، اتنا فاضلانہ احاطہ کرنے والی تحریر اب تک کہیں اور میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ پڑھ کر بے ساختہ فون کر دیا۔ خوش ہوئے، یہ بھی کہا کہ ”یہ مضمون میرے مجموعے میں شامل ہے“۔ کچھ دیر شاید ایک ڈیڑھ منٹ بات ہوئی، پھر گلا رندھنے لگا، آواز ڈوبنے لگی۔ صرف ایک جملہ نکلا: ”اب بات نہیں کی جا رہی“۔ شکریہ پر بات ختم کرنا ضروری سمجھا۔ پتہ نہیں یہ بات دلّی سے ہوئی یا وہ جب امریکہ چلے گئے تھے۔ امریکہ کب گئے؟ اور پہنچنے کے کتنے دن بعد مالک نے اپنے حضور یاد کر لیا؟ مگر یہ بات مجھے یاد رہ گئی کہ یہ مضمون لکھ کر نارنگ نے اردو کا آخری حق بھی ادا کر دیا۔

اب جب کہ نارنگ کے ساتھ علی گڑھ کے ابدی رشتے قائم ہوچکے، نارنگ اور علی گڑھ دونوں ایک رشتے میں پر گئے ہیں، دونوں ہی علی گڑھ اور اردو۔ ہندی رشتوں میں سرشار ہیں، اور دونوں ہی سے ہمارا دلی تعلق قائم ہے (باوجود شمس الرحمن کے ساتھ آخری میٹنگ کی ۔اور۔ مسعود حسین خاں کے عہد جامعہ کی ایک ناگواری کے)، نارنگ کا وہ آخری تحفہ علی گڑھ برادری کو پیش کردیں تو نامناسب نہ ہوگا۔ اتنی پیاری، اتنی شاندار اور اتنی جاندار وکالت (ایڈووکیسی) اس مزے سے کب کسی نے کی ہوگی۔ ع *خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را*۔ (ع ر ب)

جتنا گہرا رشتہ اردو اور ہندی میں ہے شاید دنیا کی کسی دو زبانوں میں نہیں۔ دونوں کی بنیاد اور ڈول اور کینڈا بالکل ایک ہیں۔ یہاں تک کہ کئی بار دونوں زبانوں کو ایک سمجھ لیا جاتا ہے۔ دونوں ایک ہی سر چشمے سے پیدا ہوئیں، جس کے بعد دونوں کا ارتقا الگ الگ سمتوں میں ہوا اور دو اہم لسانی اور ادبی روایتیں وجود میں آ گئیں۔ اگرچہ ہندی اپنا فیضان سنسکرت سے اور اردو پراکرتوں کے علاوہ عربی اور فارسی سے حاصل کرتی ہے جس کی وجہ سے لفظیات میں خاصا فرق ہے، تاہم نسبتی اعتبار سے **سگی بہنیں** ہونے کی وجہ سے دونوں میں گہرا لسانی اشتراک پایا جاتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم اسی اشتراک پر اپنی توجہ صرف کریں گے۔

دونوں زبانوں کا جد امجد انڈک ہے۔ ہزاروں سال پہلے جب آریہ ہندوستان آئے تھے تو وہ انڈک زبان بولتے تھے جس میں چاروں وید لکھے گئے۔ اس کے معیاری روپ کو سنسکرت کا نام دیا گیا۔ انڈک کے ساتھ ساتھ پراکرتوں کا ظہور ہوا اور پراکرتیں رواج اور چلن سے بدل کر اپ بھرنشیں بنیں۔ بودھوں اور جینیوں کا زیادہ تر ادب انہیں پراکرتوں وغیرہ میں ملتا ہے۔ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے ہندوستان آنے کے بعد سیاسی نقشے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے تہذیبی اور لسانی نقشے میں بھی تیزی سے تبدیلیاں ہونے لگیں۔ عربی، فارسی اور ترکی کے اثر سے ہزاروں نئے لفظ اپ بھرنشوں میں داخل ہونے لگے اور اس طرح لین دین اور روز مرہ کی ضرورتوں کے لیے ایک ملی جلی ریختہ زبان سامنے آنے لگی۔ شمالی ہندوستان میں اس وقت شورسینی اپ بھرنش کا دور دورہ تھا جبکہ سندھ، ملتان، بہاول پور وغیرہ میں کیکئی اپ بھرنش رائج تھی۔ انہیں دو اپ بھرنشوں اور ان کی بولیوں نے مل کر نئی ہندوستان گیر ملواں زبان کے لیے کھاد کا کام دیا ہوگا۔



علی گڑھ یونیورسٹی کے چانسلر چیف جسٹس احمدی سے ڈگری لیتے ہوئے ڈاکٹر نارنگ

شمالی ہند میں سندھ کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کا پہلا باقاعدہ سابقہ پنجاب کے میدانوں میں ہوا۔ غزنویوں کی راجدھانی لاہور تھی۔ اسی زمانے میں مسلمانوں کی ایک

بڑی تعداد پنجاب میں آباد ہو گئی اور تہذیبی میل جول کے ساتھ لسانی اخذ و قبول اور اختلاط وارتباط بھی شروع ہو گیا۔ غزنوی سلاطین کی حکومت پنجاب میں تقریباً ڈیڑھ سو سال رہی۔ ترک اور افغان ترکی، دری اور پشتو بولتے ہوئے آئے تھے، لیکن ان کی تہذیبی اور سرکاری زبان فارسی تھی جس کا اثر مقامی بولیوں پر پڑنے لگا۔ چنانچہ اس زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی یکجائی سے ایک نئی ملواں زبان کا پیدا ہو جانا بالکل فطری بات تھی۔ اس زبان کو اس زمانے میں ''ہندوی'' کہا گیا۔ یہ موجودہ ہندی اور اردو کی ماں رہی ہو گی۔ اس زبان کی پیدائش کا سب سے بڑا ثبوت غزنوی دور کے فارسی شاعر مسعود سعد سلمان کا وہ کلام ہے جو محفوظ نہیں رہا، لیکن محمد عوفی نے اپنے تذکرۂ لباب الالباب اور امیر خسرو نے اپنے فارسی دیوان ''غرۃ الکمال'' کے دیباچے میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مسعود سعد سلمان ''ہندوی'' میں شعر کہتے تھے۔

غزنویوں کے بعد غوریوں کی حکومت شروع ہوئی تو راجدھانی لاہور نہیں بلکہ دہلی قرار پائی۔ اسی سے ہندی اور اردو زبان کی ملی جلی ابتدائی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ محمود شیرانی کا خیال ہے کہ غوری کے حملوں کے بعد پنجاب سے عوام کی بڑی تعداد دہلی کی طرف چلی گئی اور اپنے ساتھ اس نئی زبان ''ہندوی'' کو بھی لیتی گئی جو غزنویوں کے زمانے میں وجود میں آچکی تھی اور جو ''زبان لاہوری'' یعنی پنجابی سے مختلف تھی۔ دہلی کے گرد و نواح میں اس زمانے میں شورسینی کی جو قدیم بولیاں رائج تھیں، ان میں سے کھڑی، ہریانی اور برج خاصی اہم تھیں۔ چونکہ پنجابی، کھڑی اور ہریانی سے قریب تھی، اس لیے پنجاب سے آنے والوں کو برج کی نسبت کھڑی اور ہریانی میں زیادہ اپنائیت محسوس ہوئی۔ اس طرح سیاسی مرکز ثقل دہلی منتقل ہو جانے سے زبان کی ابتدائی تاریخ پر زبردست اثر پڑا۔ اس وقت نئی زبان کی حالت ایک ایسی دھات کی تھی، جو کسی بھی سانچے میں ڈھالی جا سکتی ہے۔ پنجابی کا اثر تو نئی زبان پہلے ہی قبول کر چکی تھی، دہلی آنے کے بعد اس نے کھڑی، برج اور ہریانی بولیوں کے عناصر سے اپنی حدود کو مزید وسیع کرنا شروع کر دیا۔

ہندی اور اردو کی مشترک نشو و نما کی تیسری کڑی اس نئی ملی جلی زبان کا تیرہویں اور چودہویں صدی میں دکن پہنچنا تھا۔ دکن کی فتح تو خلجیوں کے زمانے میں ہو گئی تھی، لیکن نئی زبان کے دکن میں جڑ پکڑنے کی نوبت اس وقت پیش آئی جب محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان کی آبادی کو دہلی سے دولت آباد لے جایا گیا۔ دہلی کے عوام بہت بڑی تعداد میں وہاں پہنچے اور قدرتاً نئی زبان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ حسن گنگو کے بہمنی خاندان کے بعد اس زبان کو قطب شاہیوں اور عادل شاہیوں کی سرپرستی حاصل رہی اور اس نے خاصی ترقی کی۔ چودھویں سے سولہویں صدی تک کے اس زمانے میں یہ زبان جو شمالی ہندوستان کی ''ریختہ'' کے مقابلے میں ''گجری'' اور ''دکنی'' کہلاتی تھی، اب باقاعدہ شعر و ادب کی زبان کی حیثیت سے سامنے آنے لگی۔

اس کے شاعروں میں محمد قلی قطب شاہ، وجہی، نصرتی، غواصی، مقیمی اور ابن نشاطی، فائز، ولی اور سراج خاص طور سے قابل ذکر ہیں، جن کی غزلیں اور مثنویاں قدیم اردو کا شاندار سرمایہ ہیں اور جس کو ہندی والے بھی اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان تخلیقات کی زبان پراکرتوں سے خاصی قریب تھی۔ اس کو نہ خالص ہندی کہا جا سکتا ہے نہ خالص اردو۔ اس میں ابتدائی زبان کی ایک ایسی معصومیت، سادگی اور گھلاوٹ ہے جو بعد کی زبان میں نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر محمد قلی قطب شاہ کے یہ شعر دیکھیے،

پیا باج پیالہ پیا جائے نا
پیا باج یک تل جیا جائے نا
کہے تے پیا بن صبوری کروں
کہیا جائے اما کیا جائے نا
نہیں عشق جس وہ بڑا کوڑ ہے
کدھیں اس سے مل بیسیا جائے نا
قطب شہ نہ دے مج دوانے کو پند
دوانے کو کچ پند دیا جائے نا

یہی رنگ اس زمانے کی نثر میں بھی ملتا ہے۔ شروع کے کئی مصنفین نے نثر کو مذہبی کاموں کے لیے استعمال کیا۔ اس دور کی نثر میں بھی ہندی اردو کا ملا جلا انداز ملتا ہے جس کا بہترین نمونہ ملا وجہی کی ''سب رس'' ہے۔ ''سب رس'' کی زبان ملے جلے ہندی اردو اسلوب کی بے نظیر مثال پیش کرتی ہے،

''دانا کوں یاں کیا چارا۔ نادان کی سمجھ میں اندھارا۔ سمجیا سو پایا نئیں سمجیا سو گنوایا۔ جکوئی اس شراب کی مستی نئیں سمجیا، سو اس شراب کی مستی کیا جانے شراب کوں آپے پینا نہ یوں اچھا کہ شراب آپ کوں پیوے۔ جو شراب اسے پیا، خراب کیا تو یو کیوں جیوے۔ گھانس آگ پر کھانے جائے تو جلنا، مچھلی خشکی پر پڑے تو تلمنا۔ چمتی، ہتی کا بھار اچا سکتی ہے؟ کنکر ڈونگر کی برابری کرے گا؟ تارا چاند سوں ہم بھرے گا؟ دیوا آفتاب کے سمنکھ آئے گا، شرار شعلے پر موں بھائے گا؟ شراب پر ہر کوئی ہم نہیں بھاتا۔ عاشق کی عبادت حسن دیکھنا، راگ سننا، شراب پینا ہے۔''

دکن کے مقابلے شمالی ہندوستان میں ہندی اور اردو کو پوری طرح سامنے آنے میں ابھی مزید انتظار کرنا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سرکاری زبان فارسی تھی اور وہی تہذیب و معاشرت اور شعر و ادب پر چھائی ہوئی تھی۔ پھر بھی عوامی ضرورتوں سے نئی ریختہ زبان کی نشو و نما جاری رہی۔ ایک ملی جلی عام بول چال کی زبان کی زیادہ ضرورت بازاروں، قلعوں، لشکر گاہوں، درباروں اور خانقاہوں میں پڑتی تھی۔ چنانچہ لشکر یا لشکر گاہ یعنی قلعہ بازار کی رعایت سے اس نئی زبان کو جو کبھی ''ہندوی'' کہلاتی تھی، کبھی ''ریختہ'' اور کبھی ''دکنی'' اب ''اردو'' کہا جانے لگا۔ بعض لوگوں نے اسے ''زبان ہندوستان'' بھی لکھا ہے۔ یعنی ہندوستان کی بولی اور اسی نسبت سے اسے ہند کی بولی یعنی ''ہندی'' بھی کہنے لگے۔

شمالی ہندوستان میں اس زبان کے پہلے مستند نمونے امیر خسرو کی شاعری میں ملتے ہیں۔ اگرچہ ان کا بڑا حصہ سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچا ہے، جس سے ان کی شکل میں ضرور کچھ نہ کچھ تبدیلی ہوئی ہوگی، تاہم اس کے مستند حصوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت ہندی اور اردو کا روپ کیسا تھا۔ امیر خسرو کو ہندی اور اردو والے دونوں اپنا پہلا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے یہ چند شعر دیکھیے،

گوری سوے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چہوں دیس
پنکھا ہو کر میں ڈلی ساتی تیرا چاؤ
منج جلتی جنم گیو تیرے لیکھن باؤ
بالا تھا جب سب کو بھایا، بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤ، ارتھ کرو نہیں چھوڑوں گانو

یہی وہ زبان تھی جسے بھگتوں، صوفیوں، سنتوں اور جوگیوں نے اپنے اپنے کلام اور نغموں سے آگے بڑھایا، کیونکہ یہی وہ زبان تھی جس کے ذریعے وہ عوام کے دلوں تک پہنچ سکتے تھے۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات میں اس کے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔ کرشن بھگتوں نے اپنے علاقے کے وسیع چلن کی وجہ سے برج بھاشا کا سہارا لیا، نرگن وادی بھگتوں کے کلام میں کھڑی یعنی پرانی ہندی کے نقوش مل جاتے ہیں۔ کبیر داس کہتے ہیں،

ماٹی کہے کمہار سے تو کا روندھے موئے
اک دن ایسا ہوئے گا میں روندھوں گی توئے
چلتی چکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے
دو پٹ بھیتر آئے کے ثابت گیا نہ کوئے
جا کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے
بال نہ بانکا کر سکے جو جگ بیری ہوئے

گرونانک کی شاعری میں بھی اسی زبان کا روپ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے،

میٹھے کو کڑوا کہیں، کڑوے کو میٹھا
رانے کو نندا کرہیں ایسا کل ماںہیں ڈیٹھا

اسی کے ساتھ ساتھ ہندی کی بعض بولیوں میں باقاعدہ شاعری کا آغاز بھی ہو گیا تھا یعنی اودھی میں ملک محمد جائسی اور تلسی داس، برج میں سورداس اور راجستھانی میں میرا بائی۔ ان شاعروں کو ہندی کی ادبی روایت میں کلاسیکی حیثیت حاصل ہے۔ سترہویں صدی میں جب شاہ جہاں نے دہلی کو نئے سرے سے بسایا تو اردو کے چلن کو ایک معیاری درجہ ملنے لگا اور یہ زبان ادبی حیثیت سے سامنے آنے لگی۔ اس وقت فارسی کا زور ٹوٹ رہا تھا، چنانچہ رفتہ رفتہ اورنگ زیب کے بعد اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز ہونے لگا۔ اس کے بعد اردو، ہندی کے لسانی دھارے جو اب تک ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے، کچھ الگ الگ ہو کر آگے بڑھنے لگے اور ہندی اردو دو ادبی زبانوں کی حیثیت سے سامنے آنے لگیں، حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں کچھ ہمارے عمرانی تقاضوں کی وجہ سے اور کچھ برطانوی سامراج کی حکمت عملی کی وجہ سے اور آغاز انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج کے اردو اور ہندی میں الگ الگ نصاب بنانے کی وجہ سے ہندی اور اردو میں ایک خلیج پیدا ہو گئی جو بعد میں بڑھتی چلی گئی۔

اوپر ہندی اور اردو کے مشترک تاریخی پس منظر کی جو جھلک پیش کی گئی اس سے ظاہر ہے کہ ان دونوں زبانوں نے ابتدائی ارتقا کے دوران میں مل جل کر برج، ہریانی اور پنجابی کئی بولیوں سے استفادہ کیا، لیکن دونوں نے سب سے زیادہ طاقت کھڑی سے حاصل کی۔ اس کے بعد ہندی اور اردو اگرچہ الگ الگ دو زبانیں بن گئیں، لیکن چونکہ دونوں کا معیاری روپ کھڑی پر قائم ہے اور چونکہ دونوں کی ابتدائی تاریخ کئی صدیوں تک ایک رہی ہے، اس لیے ان دونوں کی آوازوں اور صرفی و نحوی ڈھانچے اور روزمرہ و محاورے میں جتنا اشتراک آج بھی پایا جاتا ہے، شاید ہی دنیا کی کسی دو زبانوں میں پایا جاتا ہو۔

سب سے پہلے آوازوں پر نظر ڈالیے۔ اردو کی تقریباً چالیس آوازوں میں صرف چھ ایسی ہیں جو فارسی عربی سے لی گئی ہیں، باقی سب کی سب ہندی اور اردو میں مشترک ہیں۔ خاص طور سے سادہ اور ہکار بندشی آوازیں بھ، پھ، تھ، دھ، کھ، گھ، چھ، جھ وغیرہ بیس کی بیس پورے سٹ کی حیثیت سے ہندی اور اردو میں تو موجود ہیں، لیکن ایسا سٹ نہ فارسی میں ہے نہ عربی میں۔ اس کے علاہ معکوسی آوازیں یعنی ٹ، ڈ، ڑ اور ان کے ہکار روپ ٹھ، ڈھ اور ڑھ بھی ہندی اور اردو میں مشترک ہیں، سوائے ن کے جس کو پراکرتوں کے تدبھو رجحان کے تحت اردو والے سادہ بنا لیتے ہیں، گویا گنتی کی چند آوازوں کو چھوڑ کر اردو اور ہندی کے مصمتوں کا ڈھانچہ تقریباً ایک جیسا ہے۔ مصوتوں میں تو صوتی ہم آہنگی سو فی صدی ہے۔ ہندی اور اردو دونوں کے بنیادی مصوتے دس ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔

اب صرف نحو کو لیجیے۔ اگر یہ کہا جائے "آپ کا نام کیا ہے؟" یا "آپ کہاں جائیں گے؟" یا "کیا آپ میری باتیں سن رہے ہیں؟" یا "باہر اندھیرا ہے" یا "اس وقت کیا بجا ہے؟" یا "ارے بھئی کیا بات ہے اس کی" تو یہ ہندی بھی ہے اور اردو بھی۔ لفظوں کا فرق ہو سکتا ہے لیکن جملے میں لفظوں کی ترتیب بالکل ایک سی ہے۔ **تذکیر و تانیث کا جو فرق اردو اور ہندی میں خال خال ہے** یا روزمرہ کی وجہ سے اگر کوئی اختلاف کہیں جھلک جاتا ہے تو وہ ہندی اور اردو سے مخصوص نہیں، بلکہ ایسا فرق تو دو بولیوں میں بھی راہ پا جاتا ہے۔

جملے کی جان تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اسم، اسم صفت اور فعل۔ بہت سے اسم اور صفت تو ہم نے فارسی عربی سے لیے۔ لیکن اردو **فعل** کا ہمارا سرمایہ سارا کا سارا مشترک ہے۔ فعل کے بغیر جملے کا تصور کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، لینا، دینا، آنا، جانا، گانا، رونا، دھونا، رہنا، سہنا، سیکڑوں ہزاروں فعل جیسے ہندی میں ہیں، ویسے ہی اردو میں۔ افعال زبان کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ ان ہزاروں افعال کو دیکھ کر جو ہندی اور اردو میں یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں، یہ ایمان لانا پڑتا ہے کہ **ہندی اور اردو دو جڑواں بہنیں ہیں** جو آزادانہ طور پر ارتقا پذیر ہیں، لیکن دونوں کی ریڑھ کی ہڈی غیر مرئی طور پر ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے۔ اردو کا دامن اس لحاظ سے اور بھی وسیع ہے کہ اس نے عربی فارسی لفظوں سے بھی ہندستانی قاعدے کے مطابق کئی نئے فعل بنائے جنھیں بعد میں ہندی نے بھی قبول کیا۔ مثلاً بدلنا، فرمانا، شرمانا، رنگنا، خریدنا، آزمانا، بخشنا، تراشنا، داغنا، گزرنا، لرزنا، ستانا، نرمانا، گرمانا، نوازنا، قبولنا، کفنانا، دفنانا، خرچنا وغیرہ۔

یہی معاملہ مرکب افعال کا ہے جو دونوں زبانوں میں یکساں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً بنا دینا، گر پڑنا، اڑنے پانا، چلے آنا، ٹوٹ جانا، مار ڈالنا، گھر کرنا، سن لینا، بولا کرنا، کھانے دینا وغیرہ۔ ان افعال کی حیثیت دراصل محاوروں کی سی ہے جو فعل کے دو اجزا سے مل کر بنتے ہیں اور دونوں زبانوں میں بالکل ایک طرح سے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بھی اردو اور ہندی کی مشترکہ خصوصیت ہے کہ مرکب افعال جس کثرت سے ان دو زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں، دنیا کی دوسری زبانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

فعلیہ محاوروں کے علاوہ ایسے محاوروں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچے گی جو اسم یا صفت کو ملا کر بنتے ہیں اور دونوں زبانوں میں یکساں طور پر رائج ہیں۔ اختصار کے پیش نظر یہاں صرف دو اسموں یعنی آنکھ اور منہ سے بننے والے محاوروں اور روزمرہ کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ منہ رکھنا، منہ بنانا منہ اترنا، منہ بگاڑنا، منہ پھیرنا، منہ پھلانا، منہ تکنا، منہ چڑھانا، منہ کھلوانا، منہ مارنا، منہ کی کھانا، منہ ٹیڑھا کرنا، منہ آجانا، منہ اٹھ جانا، منہ بند ہونا، منہ پر مہر لگنا، منہ پر مردنی چھانا، منہ بھر آنا، منہ بھرائی دینا، منہ پر تھوک دینا، منہ پر مارنا، منہ پر خاک اڑنا، منہ پر تالا لگنا، منہ لے کر رہ جانا، منہ تک جگر آنا، منہ توڑ جواب دینا، منہ میں پانی بھر آنا، چھوٹا منہ بڑی بات، منہ در منہ کہنا، منہ دکھانے کے قابل نہ رہنا، منہ دھو رکھنا، منہ میں تنکا لینا، منہ دیکھتے رہ جانا، منہ ذرا سا نکل آنا، منہ لال ہو جانا، منہ پر بسنت پھولنا، منہ میں گھنگنیاں بھرنا، منہ سی دینا، منہ سے دودھ کی بو آنا، منہ کالا کرنا، منہ کو خون لگنا، منہ کے بل گرنا، منہ دیکھے کی پریت، منہ سے بولنا سر سے کھیلنا، منہ مانگے موت بھی نہیں ملتی، منہ کا میٹھا پیٹ کا کھوٹا، منہ کھائے آنکھ شرمائے، منہ پھٹ، منہ چور، چٹ، منہ دکھلائی، منہ مانگے دام، منہ بولا بھائی۔

اب آنکھ سے بننے والی ترکیبوں کو بھی ایک نظر دیکھ لیجیے، آنکھ آنا، آنکھ اٹھانا، آنکھ لڑنا، آنکھ بچانا، آنکھ بدلنا، آنکھ بنوانا، آنکھ پتھرانا، آنکھ پھڑکنا، آنکھ پھوٹنا، آنکھ پھوڑنا، آنکھ پھیرنا، آنکھ جھکنا، آنکھ چرانا، آنکھ ہلنا، آنکھ لجانا، آنکھ لگنا، آنکھ مارنا، آنکھ ملانا، آنکھیں نکالنا، آنکھیں بچھانا، آنکھیں بھر آنا، آنکھیں ٹھنڈی ہونا، آنکھیں روشن ہونا، آنکھیں موند لینا، آنکھوں میں رات کاٹنا، آنکھوں میں سمانا، آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا، آنکھوں میں پھرنا، آنکھوں میں جچنا، آنکھوں میں چڑھنا، آنکھوں سے لگا لینا، آنکھوں کا پانی ڈھلنا، آنکھوں کے آگے اندھیرا آنا، آنکھوں پر قدم لینا، آنکھوں میں لہو اترنا، آنکھوں سے اوجھل ہونا، آنکھوں سے گر جانا، آنکھیں نیلی پیلی کرنا، آنکھیں کھل جانا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا، آنکھیں چار ہونا، آنکھیں دکھانا، آنکھیں مٹکانا، آنکھوں پر بٹھانا، آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لینا، آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا، آنکھ اونچی نہ ہونا، آنکھ بند کر کے کچھ دینا، آنکھ بھر کر نہ دیکھنا، آنکھ پر پردہ ڈالنا، آنکھیں ٹھنڈی کرنا، آنکھ سے آنکھ ملانا، آنکھ سے لہو ٹپکنا، آنکھ کا پانی ڈھلنا، آنکھ کا کاجل چرانا، آنکھ کی پتلی کا پھرنا، آنکھ میلی نہ کرنا، آنکھ نہ جمنا، آنکھ نیچی کرنا، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل، آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا، آنکھ کا تارا، آنکھ مچولی، آنکھوں آنکھوں میں، آنکھوں کے اندھے نام نین

سکھ، آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں، آنکھوں کے ناخن تولو۔ یہ صرف دو لفظوں سے بننے والے محاوروں اور مرکبات کی ایک جھلک ہے۔ مکمل فہرست اس سے کئی گنا بڑی ہوگی۔ اسی سے بعض کثیر الاستعمال الفاظ سے بننے والے ہزاروں دوسرے محاوروں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو دونوں زبانوں کے مشترک سرمایے کا بیش قیمت حصہ ہیں۔

اردو نے فارسی عربی الفاظ کو ہندی لفظوں کے ساتھ ملاکر سیکڑوں نئے مرکب بنائے جو ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈاک خانہ، راج دربار، بے کل، بدچلن، شرمیلا، رنگیلا، پان دان، عجائب گھر، بے دھڑک، چٹھی رساں، چوہے دان، گلاب جامن، جگت استاد، سبزی منڈی، گھوڑ سوار، جیب کترا، دل لگی، سمجھ دار، سدابہار، گھر داماد، گھڑی ساز، چڑی مار، تھانہ دار، پھول دان، بے گھر، کلاکار، تھڑدلا، گرہ کٹ، بے ڈھب، گلے باز، لنگوٹیا یار، کمر کس، جوشیلا، منہ زور، بے ڈول، شور بے چٹ، ڈھل مل یقین، بے سرا، درشنی جوان، ٹکر گدا، دیوانہ پن، سنسنی خیز، کوڑھ مغز، من مست، بے بس، جیب گھڑی، کفن چور، بے چینی، لم قدا، اٹھتی جوانی، بے ڈھنگا پن، کٹوردان، بے لاگ، سنگار دان، گوند دانی، بے ٹھکانہ، پرسال، تبارہ، تماہی، تپائی، تراہا، تسالہ، چوپایہ، چوراہا، چوگرو، چارپائی، چوگوشیہ ٹوپی، مٹر گشت، چومہری، سرچڑھانا، سرڈوب، سر ڈھکی، سرمنڈا، سرتوڑ، لاپتہ، لاپرواہی، لاچاری، نامِلنسار، نوچندی، نوسکھ، امام باڑہ، اٹل باز، دلی لگی باز، اکڑ باز، دھوکے باز، دغا باز، بٹیر باز، پتنگ باز، ٹپے باز، چوسر باز، پھکڑ باز، گاڑی بان، رتھ بان، بلم بردار، ہتھیار بند، جھجھ بند، لنگوٹ بند، تلوار بندی، لنگوٹیا یار، تک بندی، جکڑ بند، چھپر بندی، کھر بندی، مینڈھ بندی، ناکہ بندی، پاجی پرست، کنبہ پرور، بسنتی پوش، پلنگ پوش، بیاج خور، بل دار، بیل دار، بھڑک دار، پتی دار، پہرے دار، پھل دار، چمک دار، تورے دار، تھوک دار، ٹوپی دار بندوق، ٹھیکے دار، جالی دار، پھولدار، جوڑی دار، جھالردار، دھاری دار، چکلے داری، ڈیوڑھی دار، لچھے دار، لیس دار، تھوک فروش، پھل کاری، کدوکش، گھیاکش، مٹر گشت، پیچوان، نشیلا، نکیلا، جوشیلا، خرچیلا، شوروغل، باغ باڑی، تار گھر، گولر کباب، بال صفا، پنچ فیصلہ، دھن دولت، کاغذ پتر، شادی بیاہ، عید ملاپ، نقدی چٹھا، موتی محل، موتی مسجد، گل تکیہ، کفن چور، عمرپٹہ، چور محل، دماغ چٹ، پلنگ توڑ، جیب کترا وغیرہ۔

اردو اور ہندی کی بنیادی لفظیات (Basic Vocabulary) کی جامع فہرست تیار کی جائے تو اس میں فعلی مادوں (آ، جا، سو، دھو، اٹھ، لکھ وغیرہ) مصادر (کھانا، پینا، جانا، رہنا، سونا، گانا وغیرہ) فعلیہ ترکیبوں (لکھ کر، گرتے پڑتے، کر سکنا، بول چکنا، آگیا ہوگا وغیرہ) اور فعلیہ لاحقوں (ہے، ہو، ہیں، میں، تھا، تھے، تھی، تھیں، جیو، جیئے، گا، گے، گی) کے علاوہ جو الفاظ لازمی طور پر جگہ پائیں گے وہ ہیں حرف جار (نے، سے، پر، تک، کا، کے، کی، کو، میں) حروف حصریہ (ہی، بھی، تو) کلمات استفہامیہ (کیوں، کب، کہاں، کیسے، کدھر، کس، کن) کلمات تشبیہ (ایسے، جیسے، ویسے) کلمات اشاریہ (ادھر، اُدھر، یہاں، وہاں، جہاں) کلماتِ زمانی (اب، جب، تب، ابھی، جبھی، تبھی، کبھی) شخصی وغیر شخصی ضمائر (میں، ہم، تو، تم، آپ، وہ) اور ان کی تصریفی شکلیں (مجھ، تجھ، اس، میرا، تیرا، ہمارا، تمہارا، انہیں، ہمیں، سبھی)، اعداد بنیادی (Cardinal Numbers)، (ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ وغیرہ) اعداد توصیفی (Ordinal Numbers)، (پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں وغیرہ)

اسی طرح سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں تک یہ ہزاروں لفظ ہندی اور اردو میں ایک ہیں۔ ان میں ذرہ برابر فرق نہیں۔ یہی معاملہ ''واہ واہ'' اور ''ہائے ہائے'' کا ہے۔ سیکڑوں گالیاں جو قدرتی طور پر منہ سے نکلتی ہیں، دونوں زبانوں میں ایک ہیں۔ جسم کے اعضا کے ناموں میں بھی زبردست اشتراک پایا جاتا ہے۔ سر، ماتھا، آنکھیں، ناک، کان، ہونٹ، گردن، منہ، ہاتھ، پاؤں، بانہیں، ٹانگیں، پیٹ، پیٹھ، کمر، چھاتی، گھٹنا، کہنی، ایڑی وغیرہ پر ہندی اور اردو دونوں کا حق ہے۔ غرض بنیادی لفظیات دونوں زبانوں کی سو فیصد نہ سہی، ننانوے فیصد تو یقیناً ایک ہیں۔

اس سلسلے میں تلمیحوں اور کہاوتوں کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اگرچہ اردو نے اپنی تلمیحیں زیادہ تر اسلامی روایات سے لی ہیں لیکن بعض تلمیحیں مثلاً کرشن، رادھا، رام، لچھمن، سیتا، راون، ارجن، بھیم، ہیر، رانجھا وغیرہ ہندستانی روایتوں سے بھی آئی ہیں۔ تلمیحوں سے کہیں زیادہ **دونوں زبانوں کا اشتراک کہاوتوں میں جھلکتا ہے**۔ یہ واقعہ ہے کہ ہندی اور اردو میں سیکڑوں ایک ہی طرح کی کہاوتیں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً جیسا دیس ویسا بھیس، لہو لگاکر شہیدوں میں شامل ہونا، ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھنا، دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا، مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال، ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، جاکو راکھے سائیاں مار نہ سا کے کوئے، لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، گھر کی مرغی دال برابر، چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات، ملا کی دوڑ مسجد تک، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، یہ منہ اور مسور کی دال، دوملاؤں میں مرغی حرام، ٹیڑھی کھیر، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی، چور کی داڑھی میں تنکا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس، منہ میں رام رام بغل میں چھری، آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ، بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں، ایک انار سو بیمار، آج مرے کل دوسرا دن، رسی جل گئی پر بل نہیں گیا، دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے، جوگی کس کے میت، اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، دور کے ڈھول سہاونے، کہاں راجا بھوج کہاں گنگو تیلی، کوئلوں کی دلالی میں منہ کالا، بھاگتے چور کی لنگوٹی سہی، میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی، ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا، بگلا بھگت، گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، نو سو چوہے کھاکر بلی حج کو چلی وغیرہ ان سیکڑوں کہاوتوں میں سے ہیں جو اردو اور ہندی میں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔

سید احمد دہلوی مؤلف ''فرہنگ آصفیہ'' کے اندازے کے مطابق **اردو کے پچپن ہزار الفاظ کے سرمایے میں تقریباً چالیس ہزار الفاظ ایسے ہیں جو سنسکرت اور پراکرتوں کے ماخذ سے آئے ہیں** یا غیر زبانوں کے الفاظ کو اردوا کر بنے ہیں۔ اس طرح اردو کے ایسے الفاظ جو اردو اور ہندی میں مشترک ہیں، تقریباً پچھتر فیصد یعنی اردو کے سرمایے کا تین چوتھائی حصہ ہوئے۔ دو زبانوں میں لسانی اشتراک کی یہ غیر معمولی مثال ہے۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ اردو کا امتیاز ان ایک چوتھائی الفاظ سے قائم ہوتا ہے جو عربی فارسی اور ترکی کے سرچشمے سے آئے ہیں۔

اس طرح اردو کی مخصوص چستی اور کھنک بھی سامی اور ایرانی ماخذ سے آئی ہوئی آوازوں سے پیدا ہوتی ہے، نیز لب ولہجہ اور تذکیر وتانیث کے جزوی اختلافات بھی ہیں، پھر بھی کسی **دو زبانوں میں تین چوتھائی الفاظ کا مشترک ہونا**، فعلیہ ڈھانچہ کا ایک ہونا، بنیادی لفظیات یعنی اعداد، **ضمائر اور حروف جار کا ایک ہونا** اور عوامی محاوروں اور کہاوتوں کا ایک ہونا لسانی اشتراک کی عجیب و غریب مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی کوئی دوسری زبان ہندی سے اتنی قریب نہیں جتنی اردو ہے، اور یہ **کہا جا سکتا ہے کہ ہندی کی سب سے بڑی طاقت اردو ہے اور اردو کی سب سے بڑی طاقت ہندی۔**

***

Aligarh Diaspora - 19

Launched to mark the Finalé (December 2021) of AMU Centenary Celebrations 2020-21

Aligarh stands for
INDO-PAK AKHAND BHARAT
(USI)
United States of India

تمہارا ہاتھ بڑھا ہے جو دوستی کے لیے

مرے لیے ہے وہ اک یار غم گسار کا ہاتھ

تم آؤ گلشن لاہور سے چمن بردوش

ہم آئیں صبح بنارس کی روشنی لے کر

ہمالیہ کی ہواؤں کی تازگی لے کر

پھر اس کے بعد یہ پوچھیں کہ کون دشمن ہے

Indo-Pak Akhand Bharat : Confederation

<u>Rajaji: for federation</u>: There were some like Rajaji and Prof. Coupland who felt that if the League was given an option to secede, it would not but settle, instead, for loose federation. Wavell also subscribed to this view. "I realise that it has proved a very valuable bargaining counter but I hope that Mr. Jinnah will compromise before Pakistan turns into a tiger that he is riding.[1]

<u>Our first High Commissioner</u> to Pakistan *on* Aligarh:

- Sri Prakasha,

I recalled my grandfather's friendship with Sir Syed Ahmed, much to the surprise and joy of the audience, and said that Sir Ziauddin, when he was Vice-Chancellor, had told me that my grandfather was among the earliest contributors to the University funds. I received tremendous applause when I disclosed this fact."[2]

●

Massive scale to drive out the British, in which the Muslim participation was almost double than that of the Hindu, also brought the two communities so nearer to one another that all differences were wiped out. It succeeded more than any other struggle in shaking the foundation of British Raj. Because of the support that the Hindus under the leadership of Gandhiji had extended to the Khilafat question, the Muslims volunteered to give up eating beef to respect the Hindu sentiment. Hakim Ajmal Khan made a pointed reference to it in his presidential addressed to the League at Amritsar on December 30, 1919. He frankly told his co-religionist that "cow-killing seriously annoys our fellow countrymen" and hence they should give it up. He justified it on the ground that it was not obligatory in Islam. Quoting several traditions of the Prophet he said that the sacrifice of goat, sheep or came was preferable to that of the cow.

●

Mr. Jinnah presided and paid a most glowing tribute to Gandhiji. He said, "Mahatma Gandhi has placed his programme of non-cooperation supported by the authority of the Khilafat conference before the country. It is now for you to consider whether or not you approve of its principle. Once you have decided to march let there be no retreat under any circumstances. (no, no, never)……. I do not wish to detain you any more but before I sit down I will only say this: **remember that united we stand, divided we fall** (Hear, Hear and applause).[3]

●

Where were the two-nations now? Jinnah put Hindu-Muslim differences on par with divisions among themselves. He added: "you may belong to any religion or caste or creed – that has nothing to do with the business of the state…we should keep that as an ideal in front of us and you will find that in course of time *Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims, not in the religious sense, because that is the personal faith of each individual, but in the political sense, as citizens of the state."*[4]

●

Jinnah, the Muslim Nationalist : As President of the League, he brought about a national pact on communal representation. The Lucknow Pact of 1916 was blessed by Tilak and was a unique event.[5]

No scholar has done justice to that material and to his (Jinnah's) role as fully as Dr. Uma Kaira has in that neglected classic *Muslims and Indian Nationalism : The Emergence of the Demand for India's Partition 1920-40.*

***

ایک صوفی غزل

وہم و گماں کے گھر میں رہنا، کب تک آخر، آخر کب تک
اِدھر اُدھر کی باتیں کرنا، کب تک آخر، آخر کب تک

ملکِ عدم کے رہنے والے کب یہ ہستی تیری ہے
اپنے کو دھوکے میں رکھنا، کب تک آخر، آخر کب تک

عقل و خرد کے تار و پو سے، فکر کے سونے جنگل میں
وہم کا تانا بانا بننا، کب تک آخر، آخر کب تک

سب نے دیکھا تو کیوں بھٹکا، تیرے سوا ہیں سب سجدے میں
'خاکی ہے' یہ حیلہ بہانہ، کب تک آخر، آخر کب تک

ابلیسی سنت پر چلنا، خود سے باہر سجدے کرنا
ریت کے ڈھیر سے قصر بنانا، کب تک آخر، آخر کب تک

توڑ صدف کو باہر آجا زیبائش تقدیر ہے تیری
موتی کا در پردہ رہنا، کب تک آخر، آخر کب تک

دل میں تو اکثر آتے ہو، کیوں نہیں آتے آنکھوں میں
بھیس بدل کر سامنے رہنا، کب تک آخر، آخر کب تک

روح و بدن، خوش بو یا رنگت، صورت کے سب جھگڑے ہیں
روپ رنگ میں الجھے رہنا، کب تک آخر، آخر کب تک

تم ہی تصور، تم ہی تجسس، ذہن کی دونوں جہتیں تم ہو
پھر یوں کیوں پریشاں رہنا، کب تک آخر، آخر کب تک

رضی احمد چشتی (علیگ)
سابق اڈیشنل ڈسٹرک جج

[1] Mother Assassinated, pp.170-171
[2] Op.cit., P. 40
[3] Op.cit., pp.184-186
[4] Op.cit., pp.243-244

From Alig Brotherhood
Reminiscences

Zameer Ahmad Ansari

Zakir Saheb Yaad Aye. He had resigned as VC of AMU. It was his last day in the University. A group of students met and persuaded him to address them one last time. He agreed. It was soon after student unrest to protest against the publication of a book that supposedly was derogatory of the Prophet. The Union Hall was full. It was a day when unfortunately a student had died. Zakir Saheb started his speech with a mention of the passing away of the student. Soon enough he came to the point and rebuked the students for agitating in not an becoming manner. He narrated a story that went something like this:

Ek jungal mein bahut sarey totey (طوطے) rahtey they. wahan ek shikari aata tha aur 2 pairoN sey ek rassi bandh deta tha. Totey usi rassi par baith jatey they aur woh usi rassi par ghoomney lagtey they, Shikari ba aasani pakar leta tha. Kuchh dinon key baad wahan ek tota un toton ko sikhaney key liey aaya. Usney sab toton ko jama kiya aur unhey sikhaya ke "hum pardar janwar hain, Hum shikari ki rassi par nahin baithey gein, Aur agar baith gaey to par pharphara kar ur ja engey, Yeh sabaq jab teek sey toton ko yaad ho gaya to woh tota apni raah chala gaya, Kuchh dinon baad woh tota phir aaya dekhney key liey ki ab totey khairiat sey hongey. Usney dekha ki shikari ney rassi bandhi hui hai. Totey uspar baithey hain aur ghoomtey huey kahtey ja rahey hain "hum pardar janwar hain. Hum shikari ki rassi par nahin baitheN-gey, aur agar baith gaey to par phatphara kar ur jaeygein. Shikari ney un toton ko ba aasaani pakar liya, Yahi kutchh haal aap logon ka hai.

Bashir Saheb Librarian hamarey karam farma they. Unkey baarey mein soch kar likhoonga. Meri pahli tankhah Univ Library ki Rs 100 per month thi. 10 paise raseedi stamp key kaat kar Rs 99.90 miltey they. Is shahana raqam mein maen, mera chhota bhai (Minto Circle 10th Class) aur meri chhoti bahan (jo Abdulla Hall mein rahti thi) hum sab ki guzar basar hoti thi. Kya khoob zamana tha. Kabhi faaqakashi ki naubat nahin aayi. Yeh tha us waqt ka Aligarh, AMU ka mojza tha ye.

•

The now Diaspora on Lata Mangeshkar & Sir Syed.
Thank you X 1000 Times.
Lajawab. (Z.A.A.)

Iftikhar Alam Khan

Ji Bedar Sahib, muj ko Aligarh Diaspora 18 ke sath pichle sab issues muasul hute rahe hain,

Eis issue main Zakir Sahib ka convocation address lajawab hay, main 1949 main Minto Circle main agya tha, main ne un ka daur-e-vice chancellory bahut qarib se dekha hay, Kuch hi arse main ye ujharh campus, sarsabz o Shadab ho gaya tha, beganbelia ki belain, Ashok ke darakht aur hare bare lawns her taraf nazer ane lage the,

Zakir Sahib ka qul tha, ap environment ko sarsabz o Shadab kar dijiye, us main rahne wale khud ba khud nikhar jaingay, aur ye bahut had tak is campus main sahi sabit hua tha.

Acknowledgements Receipts upto 22 February 2023

- A.G. Danish
- Abdur Rahim Kidwai
- Abu Bakr
- Afzal Usmani
- Alay Ahmad
- Anwar Muazzam
- Arif Rasheed
- Arshi Khan
- Asad Murtaza
- Asim Siddiqui
- Aslam Mehdi
- Atif Hanif
- Hafiz Yahya
- Iftikhar Alam
- Latif Husain Shah Kazmi
- Muhammad Iqbal
- Muhammad Mahmood
- Naved Masood
- Parvaiz Talib
- Rahat Abrar
- Shad Naved
- Shah Umer Ata
- Shaheen Nazar
- Shamim Ahmad
- Tariq Ghazi
- Zafarul Islam Islahi
- Zaheer Babar Khan
- Zamir Ansari
- Zeeshan Muhammad Khan

From Alig Brotherhood

Prof. Mohammad Iqbal

Ji, Beshak; received both the issues and enjoyed going through them.

May Allah keep you happy, healthy, active and productive for too long!

Any plan to visit Aligarh in the near future?

With utmost regards,

Prof. Parvaiz Talib

Acknowledged, Bedar sb. I will share the pdf with Mamu on WhatsApp.

ڈاکٹر طارق غازی

ڈیاسپرا کا تازہ شمارہ، لتا منگیشکر سے منسوب، موصول ہوا۔ شکریہ۔

بے شک لتا کا اردو تلفظ، ش۔ق بے عیب تھا۔ لیکن اس حقیقت سے لوگ واقف نہیں کہ اکثر گلوکاروں اور موسیقی کے استادوں اور استانیوں کی طرح لتا بھی ایک نیم علم خاتون تھیں۔ اس نیم علمی کی دوسری مثال پاکستانی فلمی موسیقار بابا چشتی ہیں / تھے۔ پاکستان ٹی وی پر ایک انٹرویو میں ان کی گفتگو بڑی سطحی تھی۔ اسی طرح عرصہ ہوا پاکستانی صحافی وجاہت سعید خاں نے لتا کا ایک انٹرویو کیا تھا۔ اردو ہی میں تھا۔

فلم محل کے مشہور گانے "آئے گا آنے والا" کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ وہ لتا نے گایا تھا۔ میری یادداشت میں ہے کہ وہ گانا راجکماری نے گایا تھا جس کا فن جی نہ سکا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کسی زمانہ میں مٹی کے بنے ہوءے گانوں کے ایک رکارڈ کے لیبل پر میں نے اس گانے کی مغنیہ کا نام راجکماری دیکھا تھا، لتا منگیشکر نہیں، آج اس بات کی تصدیق یا تردید کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد محمود

جناب، آپ کی سب باتیں تسلیم۔ لیکن آپ اس نکتہ تک رسائی نہیں پاسکے کہ باوجودیکہ لتا منگیشکر کی مادری زبان مراٹھی تھی اور ان کو اردو کی تعلیم نہیں ملی انہوں نے اردو کی شستگی کا اعتراف کیا۔ لہٰذا وہ اپنے ہر گانے کی ریہرسل اردو کے استادوں کی ہدایت میں کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان کی نغمہ سراءی میں کوءی نقص نہیں ملتا۔

وہ فقط اردو ہندی میں نہیں بلکہ دیگر زبانوں میں بھی اپنے گانے ریکارڈ کراتی تھیں۔ ہر ایک میں وہ اھل زبان سے ہدایت لیتی تھیں۔ یہی وطیرہ مرحوم محمد رفیع کا تھا۔ انہوں نے تمل میں گانے ریکارڈ کراءے۔ کبھی کسی تملیین نے ان کے گانے پر کوءی اعتراض نہیں کیا۔

ڈاکٹر طارق غازی

محترم، مادری زبان کسی دوسری زبان کے سیکھنے میں کبھی بھی رکاوٹ نہیں بنی۔ اپ کا لسانی علم بسیط ہے۔ اپ سے بہتر کون جانتا ہے کہ تلفظ اور زبان لسانیات کی دو مختلف جہتیں ہیں۔ بے شک لتا منگیشکر کا اردو تلفظ بے عیب تھا مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسے باباءے اردو کے معیار کی اردو بھی آتی تھی۔ اس کی دلیل علی گڑھ دیاسپرا کے تازہ شمارہ میں لتا کی ستاءش کے ذیل میں تبصروں کی عبارتیں ملاحظہ فرماءیے ان میں اس سب اردو لکھنے پر قدرت رکھتے ہیں مگر ان کی اردو سطحی ہے اور کسی مجلس میں اپ سے علمی گفتگو کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ لتا کے سلسلہ مین یہی بات عرض کی تھی۔

آپ سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ تلفظ اور زبان لسانیات کی دو مختلف جہتیں ہیں۔

ڈاکٹر محمد محمود

مرحومہ محض پاپ سنگر تھیں اور انہوں نے اردو کی شستگی کو ملحوظ رکھ کر بڑا کارنامہ انجام دیا۔ باباءے اردو عبدالحق صاحب نے ان کو اردو کا محسن اسی لیے قرار دیا تھا کہ ان کے ترنم سے اردو گلی کوچہ کوچہ تک پھونچ گءی۔ یہ ایک پاپ سنگر کے لیے ذروۂ کمال ہے۔ فقہی بحثوں میں پڑنے کا فایدہ کیا ہے؟

ڈاکٹر محمد طارق غازی، وھٹبی۔ اونٹاریو۔ کینڈا

گزشتہ شمارہ کی رسید دے دی تھی۔ 'تازہ شمارہ بھی ملا' ڈاکٹر ذاکر حسین کا خطبہ خاصے کی چیز ہے۔ پہلا تہائی تو ادب پارہ ہے۔ تعلیم میں افقی اضافہ ہو رہا ہے، عمودی اضافہ سست ہے۔ دوسرا المیہ یہ کہ اس سے تربیت کا جزو حذف کر دیا گیا تو نفع بھی نقصان میں بدل گیا۔ امید کو زندہ رکھنے میں تو کچھ خرچ ہوتا نہیں۔ تو امید ہے مستقبل کی کسی گھڑی میں ایسے لوگ سریر ارائے تخت مملکت علی گڑھ ہوں کے جو تعلیم کا لازمی جزو تربیت کو بنائیں گے۔

ڈاکٹر شاہ عمر عطا

امید ہے کہ آپ کی جانب معاملات زندگی بہ حسن و خوبی جاری و ساری ہوں گے۔ (علیگڑھ ڈائیسپورا 17) کا شدت سے انتظار تھا جواب مرکز نگاہ اور زیر مطالعہ ہے۔ اِس مرتبہ آپ نے موضوع بھی خوب چنا ہے جو اپنی نوعیت میں اچھوتا، قلب زیب اور بالکل منفرد ہے یعنی مادرِ درسگاہ سر سیّد علیہ الرحمہ اور لتا جی کا تعلق تخیل اور یگانگت کا ایک نیا باب ہے۔ اِس سے پہلے میں اُن کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں سے قطعی ناواقف تھا اور جنھیں اب پڑھ کر اور جان کر بے حد لطف آیا۔ برصغیر بلکہ پوری دنیا کی ہر دلعزیز شخصیت "بلبل ہند لتا منگیشکر" کی آواز کے ساز اور سحر میں ہم سب پا بجولاں ہیں۔ بقول کسی کے کہ "لتا کی آواز میں خدا کا نور ہے" اور بھلا اِس روشن حقیقت سے کس کو انکار ہے۔ اِس عظیم مغنیہ سے ہم سب کا ایک دیرینہ تعلق ہے جسے بہت سے نام دیئے جا سکتے ہیں۔ یہ سُر اور تال کی ایک اقلیم بے کراں ہے جہاں سننے والے "گوش بر آواز" ہو جاتے ہیں۔

لتا جی کے قومی نغمے اور گیت ساز و آواز کا ایک انوکھا سنگم اور طلسم ہوشربا ہیں جو سامع کو محصور کر دیتے ہیں اور جو دائم الوجود ہیں۔ موسیقی کی دنیا میں اور بھی بڑے بڑے اور قد آور نام ہیں جنھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ مثلاً بیگم اختر، شمشاد بیگم، محمد رفیع صاحب، بڑے غلام علی، مہدی حسن، نورجہاں، کشور کمار، آشا بھوسلے، طلعت محمود، جگجیت سنگھ اور اِس درجے کے کئی اور نام جو ہمیشہ اپنی اہمیت کو برقرار رکھیں گے۔ میری یہ مختصر اور شکستہ تحریر اِن سب کے لئے خراجِ عقیدت ہے۔ انشااللہ جب تک زندگی ہے رابطے میں رہوں گا۔

ڈاکٹر نوید مسعود

بہت بہت شکریہ، ذاکر صاحب کا یہ خطبہ عرصہ ہوا پڑھا تھا آپ نے قندِ مکرر مہیّا کرا دیا، میری دانست میں تقسیمِ اسناد کے موقع پر ایسے معنی خیز لیکن دلچسپ ایڈریس شاذ و نادر ہی دیئے گئے ہیں۔

***